دنیا میں قحط کے خطرات کا سبب جدید انسان ہے

مغرب نے کس طرح کا عظیم انسان [Modren Man] پیدا کیا؟

دنیا کی ساڑھے چھ ارب آبادی کے لئے قحط کی صورتحال سرمایہ داری، انسانی حقوق کے فلسفے، اور مغرب کی دہشت گردی نے جان بوجھ کر پیدا کی ہے واشنگٹن پوسٹ کے مطابق چھ ہزار ارب پتیوں پر مشتمل سرمایہ دارانہ خاندانوں نے دنیا پر اپنا تسلط قائم کر دیا ہے یہ قحط ان کا مسلط کردہ ہے یہی دنیا کے اصل حکمران ہیں اور کیوں نہ ہوں capitialism جب اچھا نظام ہے تو capitalist ہی اصل اور صحیح آدمی ہے واشنگٹن پوسٹ کے مطابق اس سپر کلاس کو نہ ہم نے منتخب کیا نہ ہم اسے اقتدار سے ہٹا سکتے ہیں یہ سپر کلاس روزانہ پہلے سے زیادہ طاقت ور ہوتی جا رہی ہے'' یہ تجربہ جھوٹ کا پلندہ ہے اس سپر کلاس کے پیدا کرنے کا ذمہ دار سرمایہ دارانہ نظام ہے جو تمام مذاہب اور انسانوں نے ہیوٹن رائٹس ڈیکلریشن کے نام پر قبول کیا ہے پوری دنیا نے اس منشور پر انگوٹھا لگایا ہے کیونکہ دنیا کے ننانوے فی صد دانشوروں کے پاس وہ عقل نہیں تھی کہ وہ اس منشور حقوق انسانی میں مستور سرمایہ داری کے دستور کو سمجھ سکتے لہٰذا اِن اَن پڑھ انگوٹھا چھاپوں نے اس کی توثیق کی اور عوام نے اس نظام کے نفاذ کے لئے جمہوریت کی تصدیق کی لہٰذا یہ نظام عوام پر رہنماؤں پر ان سے پوچھ کر ان کی مرضی سے مسلط ہوا ہے اب اسے بھگتنا ہوگا تیل مہنگا ہونے کے بعد اب یہ سرمایہ دار غذائی اجناس سے "Bio Fuel" تیار کر رہے ہیں دس کروڑ ٹن غلے سے تیل بنایا جا رہا ہے ایک آدمی ایک سال میں جتنی مکئی استعمال کرتا ہے اس سے سو لیٹر تیل بنتا ہے جو ایک دن میں خرچ ہو جاتا ہے۔ لہٰذا بھوکا مرنا انسانیت کا مقدر ہے ان جہلاء کا مقدر ہے جو اب بھی سرمایہ داری کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ سرمایہ داری اور بنیادی حقوق کے فلسفے نے ایک حاسد حریص لالچی مریض پیدا کیا ہے جس کا خدا اور نبی صرف پیسہ [Capital] ہے۔ یہ طالب لذات جانور ہے لہٰذا لذتوں میں اضافہ کے لئے اسے ہر وقت، مسلسل ہر لمحے سرمایہ کی ضرورت ہے مغربی فلسفے اور سائنس و ٹیکنالوجی نے حرص و حسد و ہوس کی عمومیت کو مفاد عامہ [General will] کا درجہ دے دیا اس کے نتیجے میں ایک شیطانی وجود بر آمد ہوا جو یکساں یک رخا انسان [One diminsional man] پیدا ہوا اس کا رخ صرف شہوت غضب لذت دولت اور اس دنیا کے مزوں کی طرف ہے اسے اس سے کوئی بحث نہیں ہے کہ اکیسویں صدی میں شمالی کوریا میں ساٹھ لاکھ انسان بھوک سے مر گئے افریقہ کے ملکوں ایتھوپیا، صومالیہ وغیرہ۔ اور سوڈان میں کئی لاکھ قحط سے موت کا شکار ہوئے لیکن جدید سائنس کے بنائے ہوئے طیارے، بحری جہاز، ریلوے ٹرالر، ان بھوکے لوگوں تک اناج نہیں پہنچا سکے کیوں کہ ان کے پاس اناج کے پیسے نہیں تھے اور جدید انسان [Modren man] ان کو مفت میں اناج مہیا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ورلڈفوڈ آرگنائزیشن کے مطابق ۲۰۰۸ء میں دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ چاول پیدا ہوا ہے لیکن دنیا کی تاریخ میں کبھی چاول اتنا مہنگا نہیں ہوا جس قدر آج ہے۔ ایک ہزار سال پرانے اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ایک ہزار سال کے دوران دنیا بھر میں غلے کی قیمتوں میں صدیوں میں جا کر تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی تھی لیکن آج عہد جدید میں ہر ہفتے، ہر روز دن میں دو مرتبہ غلے کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اس کی بنیادی وجہ مغرب کا تخلیق کردہ طلب و رسد کا قانون اور مغربی معیشت کی ایجاد آزاد منڈی کی معیشت [FreeMarket]، اجارہ داریاں [Monopolies] اور سرمایہ دارانہ مزاج یعنی [Accumalation of Capitalf for the sake of accumlation] آزادی [Freedom]، لذت [Pleasure] کا زیادہ سے زیادہ حصول کیونکہ جدید معیشت و فلسفے نے دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا ہے کہ [Man is a pleasure seeking animal] اور سرمایہ میں اضافے کا مطلب لذت کے حصول میں زیادہ سے زیادہ اضافہ [Capial for Maximzation of Capital] ہے۔ ظاہر ہے اس فلسفے کے نتیجے میں قیمتیں نہیں بڑھیں گی تو اور کیا بڑھے گا۔ ورلڈ بینک، ورلڈفوڈ آرگنائزیشن، آئی ایم ایف کے مطابق گزشتہ کئی برسوں سے دنیا میں جتنی غذائی اجناس پیدا ہوئی ہیں دنیا کی تاریخ میں کبھی اتنی اجناس، اتنا غلہ پیدا نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود غلے کی قیمت کم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ جدید سائنس و ٹیکنالوجی نے غلے کی پیداوار میں بے تحاشہ اضافہ کیا ہے لیکن اس سائنس و ٹیکنالوجی نے انسان کی حرص و حسد و ہوس کو غلے کی پیداوار سے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا ہے کیونکہ یہ سائنس لذت اندوزی کی جتنی چیزیں ایجاد کر رہی ہے اس کے حصول کے لیے مسلسل پیسہ کمانے کی دوڑ میں شامل ہوئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چیزیں بازار میں آرہی ہیں تو آنے دو آپ اس کی طرف مت دیکھیے صرف ان چیزوں کی طرف دیکھیے جو آپ کو چاہئیں وہ چیزیں لیجیے جو آپ کی ضرورت ہیں جو آپ اپنے وسائل سے خرید سکتے ہیں لیکن یہ احمقانہ استدلال ہے آپ اشتہار دے دے کر مجھے للچاتے ترساتے اور تڑپاتے ہیں آپ قسطوں پر چیزیں فروخت کرتے ہیں آپ کریڈٹ کارڈ بھی دیتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ میں اپنے نفس پر قابو رکھوں آپ بازار میں طوائف کو بنا سنوار کر بٹھا دیں اور کہیں کہ لوگو غضِ بصر سے کام لو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا یہ سراسر شر ہے سوال یہ ہے کہ شر کیوں موجود ہے کیوں گوارا ہے کیوں سر عام دیے کی طرح جلا کر رکھ دیا گیا ہے کیا مصلحت ہے تم رب العالمین نہیں ہو کہ لوگوں کے ایمان کی آزمائش کے لئے اور ان کے خبث باطن کو دو اور دو چار کی طرح واضح کرنے کے لئے ہاروت و ماروت کو عہد حاضر میں اتار دو تم خدا بننے کی کوشش نہ کرو اور بے وقوف بنانے کے لئے احمقانہ دلائل نہ دو تم اشرار پر مبنی ایجادت بازار میں پھینکتے رہو اور لوگوں سے کہو کہ آپ کو آزادی ہے آپ اسے نہ خریدیں تم سردیوں میں کوک اور آئس کریم آزاد تجارت [Free Market] کے نام پر لاؤ اور اسے فطری عمل قرار دے دو اسلامی ریاست ہو تو وہ ان کارخانوں کو بند کر دے گی جو صرف پیسہ کمانے کے لئے سردیوں میں لوگوں کی صحت مال سے کھیلتے ہیں اگر رمضان میں تمام ہوٹل کھلے ہوں سب لوگ کھا پی رہے ہوں، روزے کا ماحول نہ ہو تو اس میں روزہ رکھنا آسان ہوگا یا مشکل؟ لیکن اگر ہر طرف احترام رمضان ہو تو روزہ رکھنا کتنا آسان ہوگا؟ سوال یہ ہے کہ جب غلہ اجناس غذائی اشیاء انسانی ضروریات سے بہت زیادہ پیدا ہو رہی ہیں تو دنیا میں قحط کیوں آرہے ہیں؟ لوگ خودکشی کیوں کر رہے ہیں؟ یہ خودکشی کرنے والے اپنی جان دینے کے بجائے دوسروں کی جان لینا شروع کر دیں تو دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ دنیا کی تاریخ میں جس طرح قحط اب پڑے ہیں جس طرح لوگ بھوکے اب مرے ہیں جس طرح قیمتیں اب چڑھی ہیں کبھی نہیں چڑھیں آخر کیوں؟ ایسا کیوں ہے کہ تم صرف غلے کے ڈھیر غلے کی مقدار، غلہ اگلتی ہوئی زمینوں کی سائنس و ٹیکنالوجی کو دیکھتے ہو لیکن اس رویے، طریقے، اسلوب حیات، طرز زندگی کو نہیں دیکھتے جو غلے کے اس ڈھیر سے برآمد ہوا۔ یہ رویہ ایسے ہی نہیں برآمد ہوا اس رویے کے

بغیر اتنا غلہ کبھی نہیں پیدا ہوسکتا تھا خوشحالی کا یہ ڈھیر اور فارغ البالی کا یہ انبار حرص وحسد وہوس کے اس مابعد الطبیعیاتی فلسفے سے برآمد ہوا ہے جو سترہویں صدی کے بعد روشن خیالی، تحریک نشاۃ الثانیہ اور تحریک تنویر کے ذریعے دنیا کو ملا ہے اور دنیا پر ابھی تک حکومت کر رہا ہے پوری تاریخ انسانی میں دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے بھوک سے خودکشی کی ہو۔ ضرورت سے زیادہ غلہ پیدا کرنے والا انسانیت کی خدمت کے لیے، غربت کے خاتمے کے لیے، حاجت مندوں کی ضرورت کے لیے غلہ پیدا نہیں کر رہا وہ اپنے نفس کی خواہشات پورا کرنے کے لیے غلہ پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ انسان انسان نہیں درندہ ہے۔ اس کی درندگی بہمیت وحشت، ظلمت اس کے باطن کی تاریکی ذلت رسوائی خباثت اسے غلے کی قیمت میں مسلسل اضافے پر آمادہ کرتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص بھوکے لوگوں کی قطاریں دیکھ کر خوش ہوا، فاقہ مستوں کے سوکھے چہرے دیکھ کر اسے مسرت حاصل ہوئی کہ ان چہروں اور اس حالت کی وجہ سے اس کے پیدا کردہ غلے کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ اگر اس کے غلے کی قیمت کم ہو جائے تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ ایسا ذلیل انسان پوری تاریخ انسانی میں کسی تہذیب میں کسی مذہب میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ اس جدید سائنس وٹیکنالوجی کا کمال ہے جو جدید فلسفے سے پیدا ہوئی ہے اور اس جدید انسان کا ضمیر خمیر بھی اسی خاک سے اٹھا ہے تاریخ کے ہر دور میں پیداوار [Production] کا مقصد صِرف صَرف [Cosumption] ہوتا تھا پیداوار زیادہ ہوتی تو اسے فروخت کر دیا جاتا یا خیرات کر دیا جاتا لیکن پیداوار برائے پیداوار [Production only for prupose of production]، پیداوار برائے بڑھوتری منافع، اور پیداوار برائے تبادلہ [Exchange] انسان کا کبھی یہ مقصد نہیں رہا۔ یہ سترہویں صدی کے دور تنویر و روشن خیالی کا کمال ہے کہ انسان کی تمام صلاحیتوں، توانائیوں اور امکانات کو عقلیت [Rationaly] اور پیٹ ومعدہ تک محدود کر دیا گیا ہے۔ عہد قدیم میں جب کسی علاقے کی زمین زرخیزی کھو دیتی زمین غلہ اگلنا بند کر دیتی تو لوگ ان علاقوں سے نقل مکانی کرتے تھے۔ عہد جدید کی ضلالت قوم پرستی [Nationalism] نے جس کی تاریخ چار سو سال سے زیادہ نہیں قومی سرحدیں بنا کر اس نقل مکانی کو ناممکن بنا دیا ہے۔ گزشتہ سال افریقہ میں قحط پڑا اور لوگ ایک افریقی ملک سے دوسرے افریقی ملک جانے لگے تو سرحدوں پر فائرنگ کر کے انسانوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس سال غزہ میں اسرائیل نے لوگوں کو قحط میں مبتلا کیا تو لوگ مصر کی سرحد پر جمع ہو گئے لیکن مصر نے فلسطینیوں کو اپنی سرحدوں میں داخل ہونے سے جبراً روک دیا اس کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ لوگ آئیں گے تو ہماری معیشت پر بوجھ بنیں گے۔ ہمارے حصے میں سے کھالیں گے ہمارے وسائل کم ہو جائیں گے ساڑھے سات ہزار سال کی تاریخ میں قدیم تہذیبوں میں کبھی کسی شخص کو ایک خطے سے دوسرے خطے ایک براعظم سے دوسرے براعظم منتقل ہونے پر قدغن عائد نہیں ہوئی، کسی تہذیب نے اور اس عہد کے کسی انسان نے یہ نہیں سوچا کہ کسی دوسرے شخص یا گروہ کے ہمارے علاقے میں آنے سے معاشی مسائل پیدا ہوں گے۔ ہمارے وسائل کم ہو جائیں گے۔ یہ ذلیل ذہنیت مغرب کے فکر و فلسفے اور مغربی نیشنل ازم کی پیداوار ہے جس نے پہلے ملکوں کو قومیت کی بنیاد پر تقسیم کیا اس کے بعد کلیسا بھی قومی کلیسا بن گئے۔ چرچ آف انگلینڈ، چرچ آف اسپین وغیرہ اس کے بعد سفر کے لیے پاسپورٹ ویزا کی پابندیاں عائد کر دی گئی۔ ۱۹۲۴ء تک جب خلافت عثمانیہ زندہ تھی اسلامی خلافت کے کسی حصے میں کسی شخص کی نقل وحمل حرکت پر کوئی پابندی نہ تھی، ہر مذہب عقیدہ کے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے تھے، اس عہد کے لوگ، حکمران، دانش ور اس بات سے آگاہ تھا کہ قحط بھوک خشک سالی کے باعث ہجرت اور نقل مکانی کر کے کسی اور ملک سے آنے والا شخص ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کا بندہ ہے، مشکل حالات میں ہے لہٰذا ہماری خوشیوں کے خوشوں میں سے چند خوشے چن لے گا ان کے لیے یہ خوشی کا موقع ہوتا تھا وہ اس کا استقبال کرتے تھے مدد کرتے تھے، ہمدردی کرتے تھے، ان کی دانش کو یہ علم تھا کہ آنے والا

صرف اپنے ساتھ ایک خالی پیٹ اور کھلا منہ لے کر نہیں آرہا ہے اس کے ساتھ وہ اپنے دو ہاتھ، اپنی عقل، اپنے تجربات، اپنی تہذیب تاریخ کا پورا ورثہ، اپنی آبائی دانش، فہم، عقل، ذکاء، ذہانت، جذبات محسوسات، اور خدا جانے کیا کیا کچھ لے کر آرہا ہے۔ یہ صرف روٹی نہیں کھائے گا بلکہ اپنے تہذیبی تاریخی ورثے سے ہمیں اخذ و استفادے کا موقع بھی دے گا۔ عہد حاضر کا ذلیل انسان اس دانش سے محروم ہے اس لیے دنیا نے ٹی وی پر یہ نظارہ دیکھا کہ ایتھوپیا، جنوبی کوریا، صومالیہ، سوڈان، میں قحط کے بعد جب قحط زدہ لوگ اپنے ملک کی سرحدوں سے دوسرے ممالک کی سرحدیں پھلانگنے لگے تو ان کی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ لیکن ٹی وی نے یہ منظر بھی دیکھا کہ انہی سرحدوں سے اس قحط زدہ ملک کے جانور، مویشی، پرندے ہجرت کر رہے تھے لیکن ان پر کوئی گولی نہیں چلائی گئی، انھیں خوش آمدید کہا گیا، ان کو روکا نہیں گیا، یہ کیسی تہذیب، کیسی تاریخ، کیسا انسان، کیسا عہد، اور کیسا زمانہ ہے کہ انسانوں کو قتل کیا جا رہا ہے ان کو سرحد عبور نہیں کرنے دی جا رہی، ان کو قحط سے مرنے کے لیے زبردستی بھوک اور پیاس کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور جانوروں کو ہجرت کی آزادی ہے۔ جاوید غامدی کی نظر میں ہم تاریخ کے سب سے عظیم عہد میں جی رہے ہیں، جب تمام ظلم ختم ہو گئے ہیں، انسان بہت روشن خیال اور مہذب ہو گیا ہے، اس جاہل خود ساختہ فقیہہ اور برخود غلط عالم کو یہ معلوم نہیں کہ عصر حاضر دنیا کا سفاک ترین عصر، اس کا انسان دنیا کی تاریخ کا وحشی ترین درندہ اور اس کی اخلاقیات نفس پرستی شکم پرستی اور جاہ پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

۲۰۰۷ء میں پاکستان میں گندم کی سب سے بہترین فصل ہوئی لیکن گندم کا بحران آ گیا دلیل یہ دی گئی کہ طلب و رسد کا فقدان ہے جب فصل طلب سے زیادہ تھی تو رسد کا مسئلہ کیسے پیدا ہوا؟ بحران گندم کا تھا یا بحران ذخیرہ اندوزوں کے باطن کا تھا فقدان رسد کا تھا یا فقدان شرافت، ایمان اور دیانت داری کا تھا دنیا میں جہاں بھی سرمایہ دارانہ معاشرہ ہو جہاں جمہوریت کے ذریعے معاملات طے پاتے ہوں وہاں معیشت لوگوں کی طلب اور ضرورت کے تحت نہیں چلتی بلکہ وہ مارکیٹ سے طلب و رسد کے تحت چلتی ہے بیچنے والے کو صرف اس سے دلچسپی ہوتی ہے کہ اسے زیادہ سے زیادہ پیسے ملیں خواہ خریدنے والا اتنے پیسے دینے کے قابل ہے یا نہیں اور خریدنے والے کو صرف اس سے دلچسپی ہوتی ہے کہ وہ کم سے کم پیسے بلکہ لاگت سے کم پر مال خریدے یہ سول سوسائٹی کی خاصیت ہے کہ وہاں لوگوں کے تعلقات محبت الفت کی بنیاد پر نہیں مفاد کی بنیاد پر طے ہوتے ہیں یہ ایک [Contactarian Society] ہوتی ہے جس کے تعلقات کا تانا بانا صرف مفاد، افادہ، ذاتی سرمایے میں اضافہ ہوتا ہے۔ پاکستان میں غذائی اشیاء کی کثرت کے باوجود قلت اس لئے ہے کہ پاکستان کے ارد گرد ممالک میں غلہ یہاں کے مقابلے میں مہنگا ہے لہٰذا غذائی اشیاء اسمگل ہو کر بیرون ملک جائیں گی لہٰذا کثرت کے باوجود قیمت بڑھے گی اسے کہتے ہیں طلب و رسد کا قانون اپنے وطن کے لوگوں کے گلے کاٹ دو بیرون ملک مہنگے داموں غذائی اجناس بیچو اور اسے طلب و رسد کے قانون کا منطقی نتیجہ کہہ کر عہد حاضر کے ذلیل فلسفۂ معیشت کو اخلاقی حوالہ مہیا کر دو یہ عصر حاضر کی معیشت کا کل افسانہ ہے۔ ورلڈ فوڈ آرگنائزیشن کے مطابق ۲۰۰۸ء میں چاول کی بہترین فصل پیدا ہوئی ہے پھر بحران کیوں ہے؟ اس سلسلے میں تین نقطہ ہائے نظر ہے ایک یہ کہ غذائی اجناس مہنگی کر کے مصنوعی غذائی اجناس کو متعارف کرایا جائے جو قدرتی طریقے سے تیار کردہ اجناس کے مقابلے میں بہت سستی ہیں اگر قدرتی طریقے سے پیدا کردہ آلو تیس روپے کلو ہے تو مصنوعی آلو دس روپے کلو ہے اور کینسر پیدا کرتا ہے، دوسرا نظریہ یہ ہے کہ غذائی اجناس سے تیل بنایا جا رہا ہے، تیسرا نظریہ یہ ہے کہ عالمی سرمایہ داروں نے اجارہ داری کر کے منافع کمانے کا دھندہ شروع کر دیا ہے۔ دنیا بھر میں اس وقت غذائی اجناس کی اس قدر افراط ہے کہ اگلے دو سال تک یہ خوراک کافی ہے اگر Food Factories غذائی اشیاء کے کارخانے نانبائی کے ادارے اور اس سے متعلق تمام صنعتوں، اشیاء، تنور، بیکری، ہسپتالوں، ہوٹل دعوتیں

وغیرہ جہاں تیارشدہ غذائی اشیاء ملتی ہیں ان سب کو بند کر دیا جائے تو لاکھوں ٹن غلہ بچایا جاسکتا ہے جو اگلے پانچ سال کی ضروریات خوراک کے لئے کافی ہے غذائی اجناس تیار کرنے والے ادارے لاکھوں ٹن اجناس مقررہ معیار گزرنے [Date of Expiry] کے بعد ضائع کر دیتے ہیں ہوٹلوں میں ایک وقت میں کئی کئی کلو اور بڑے بڑے ہوٹلوں میں کئی کئی من روٹی اور سالن و دیگر اشیاء مثلاً سلاد دہی، بوتیں، وغیرہ ضائع ہو جاتی ہیں کیونکہ دنیا کا کوئی ہوٹل ایسا نہیں ہے جہاں پاؤ یا آدھی رکابی سالن ملتا ہو یا جہاں آدھی یا پاؤ روٹی ملتی ہو آپ ڈیڑھ روٹی، سوا دو روٹی، کھانا چاہتے ہیں تو آپ کو کم از کم دو روٹیاں یا تین روٹیاں خریدنی ہوں گی آپ کی بچائی ہوئی آدھی یا تین چوتھائی روٹی ہوٹل میں آپ کے برابر بیٹھ کر کھانا کھانے والا بھی کھانا پسند نہیں کرے گا کیونکہ یہ مہذب آدمی [Civilized human being] ہے لہٰذا ہوٹل والا آپ سے پیسے ایک روٹی کے لے گا اور بقیہ تین چوتھائی روٹی کوڑے میں پھینک دے گا یہ طریقہ واردات جدید انسان کے ذہن کا ہے جو حاسد و حریص ہے آدھی پاؤ روٹی بھی تیار کی جاسکتی ہے جس طرح گھروں میں بنتی ہے یا جس طرح مٹھائی کی دکانوں میں اب چھوٹے چھوٹے گلاب جامن رس گلے آگئے ہیں لیکن ہوٹلوں پر پوری روٹی ملے گی اس طرح سالن بھی ایک رکابی ملے گا اگر آپ کہیں کہ مجھے آدھی یا پاؤ رکابی سالن دو میرے پاس پیسے نہیں ہیں یا میرا کھانے کا دل نہیں چاہ رہا صرف تھوڑا کھانا کھانا ہے تو ایسے آدمی کو احمق جاہل قرار دے کر ہوٹل سے نکال دیا جائے گا طلب و رسد کا قانون بھی یہی ہے کہ بغیر طلب کے رسد مہیا کرو بغیر طلب کے [without demand] لازمی رسد [Compulsory supply] کے ذریعے لوگوں کو ہوٹلوں میں لوٹا جاتا ہے یہ رویہ صرف مغرب میں نہیں پوری دنیا میں عام ہو گیا ہے حرص و حسد ہوس کس کس طرح غذائی اجناس کو ضائع کرنے کا سبب بن رہے ہیں۔ غذائی زیاں کے اداروں کی فہرست میں ہسپتالوں کا نام دیکھ کر لوگوں کو تعجب ہوگا لیکن حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھر میں دعوتوں اور غذائی کارخانوں کے بعد سب سے زیادہ ہسپتالوں میں کھانا ضائع ہوتا ہے ہسپتالوں میں نام نہاد ماہرین تغذیہ [Diet experts] مریضوں کو خوراک کی ایسی اقسام اور اتنی مقدار تجویز کرتے ہیں جو ایک عام صحت مند آدمی بھی نہیں کھا سکتا عموماً یہ کھانا اس قدر بدذائقہ ہوتا ہے کہ مریض اسے کھانا پسند نہیں کرتا لہٰذا یہ تمام کھانا ہسپتالوں میں ضائع ہوتا ہے ہمیں دنیا بھر کے ہسپتالوں کا حال نہیں معلوم صرف کراچی کے ایک ہسپتال ضیاء الدین یونیورسٹی کا حال پیش کرتے ہیں کینسر کے ایک مریض کو جو آدھی چپاتی بھی مشکل سے کھاتا ہے صبح ناشتے میں ایک پراٹھا، انڈہ یا آملیٹ، دو ٹکڑے ڈبل روٹی، مکھن، جام، دودھ کے ساتھ دلیہ اور چائے دی جاتی ہے کیا ایک صحت مند آدمی یہ غذا استعمال کر سکتا ہے دوپہر کو سالن، چاول، روٹی، میٹھا، سبزی، گوشت، مرغی وغیرہ دی جاتی ہے۔ تمام مریضوں کو کم و بیش یہی غذا دی جاتی ہے اور تمام مریض ایک چوتھائی غذا استعمال کرتے ہیں تین چوتھائی غذا پھینکی جاتی ہے یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ اپنی پسند کے مطابق جو کھانا چاہیں وہ حسب طلب لے لیں یہ طریقہ ایک فطری طریقہ ہے لیکن یہ طریقہ اس لئے اختیار نہیں کیا جاتا کیونکہ سرمایہ داری کا پہیہ نہ چل سکے گا جو consumption پر چلتا ہے صبح دوپہر رات کے کھانے میں ہر مرتبہ ایک پلاسٹک کا چمچہ، پلاسٹک کی چھری، اور پلاسٹک کا کانٹا بھی مہیا کیا جاتا ہے اگر مریض دس دن ہسپتال میں رہے تو ۹۰ پلاسٹک کے چمچے، کانٹے، چھریاں استعمال کرے گا اس کی قیمت بھی مریض سے وصول کی جائے گی حفظان صحت کے اصولوں کے تحت یہ چمچے فوراً پھینک دیے جاتے ہیں ہر مرتبہ نمک اور شکر کاغذ کی پڑیوں میں مہیا کیا جاتا ہے کیا ہسپتال کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ مریض کو داخلے کے وقت دھاتی شکر دان، نمک دان، چمچہ کانٹا چھری دے دے اور واپس نہ کرنے کی صورت میں اس کی قیمت بل میں شامل کرے لیکن اس کار خیر کے نتیجے میں ہسپتال آلودگی پھیلانے کا جو کار خیر انجام دے رہا ہے اس میں شدید کمی ہوگی اور ان اشیاء پر ملنے والا منافع، کمیشن کم ہو جائے گا، صرف ایک ہسپتال روزانہ ہزاروں چمچے، پلاسٹک کی تھیلیاں، کاغذ کے

ٹکڑے پھینک کر آلودگی میں اضافہ کر رہا ہے تو دنیا بھر کے ہسپتالوں کی جانب سے خوراک اور وسائل کے زیاں کا اندازہ کیا جا سکتا ہے سرمایہ دارانہ ذہنیت سرمایہ دارانہ نظام پوری دنیا پر کس طرح مسلط ہوا ہے اور دنیا کو کس طرح تباہ کر چکا ہے دنیا کی اکیس تہذیبوں میں نہ کبھی اتنی بیماریاں تھیں، نہ اتنی عیاشیاں، نہ اتنے ہسپتال، نہ اتنے ہوٹل، کیفے، اسنیک بار، ریستوران، فاسٹ فوڈ یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی شخص ایک جگہ سے دوسری جگہ جائے اور اس کی مہمان نوازی نہ کی جائے لہٰذا ہوٹلوں کا کیا سوال مہمانداری تمام اکیس تہذیبوں کی مستحکم روایت تھی لہٰذا دنیا میں نہ کوڑے کرکٹ کا وہ ڈھیر تھا جو اکیس صدی میں ہے نہ عیش وعشرت کی وہ زندگی جس سے مال کمانے کے لئے اربوں ٹن کوڑا تیار کیا جا رہا ہے فطری سادہ پر مسرت زندگی کے باعث لوگ ہر ایک کے مہمان بنتے تھے اور لوگ بخوشی مہمان بناتے تھے یہ ایک مذہبی فریضہ دینی ومذہبی ذمہ داری تھی طالب علم ایک براعظم سے دوسرے براعظم حصول علم کے لئے جاتے تو وہاں کے امراء اور عام لوگ ان طالب علموں کی مہمان داری میں فخر کرتے انھیں اپنا مہمان بناتے، ان کی خوراک کا خیال رکھتے یہ سیاحت برائے عیاشی اکیس تہذیبوں کی تاریخ میں کبھی نہیں رہی اس لئے پاکستان کے خوبصورت ترین علاقوں میں سیاح کیوں نہیں آتے کیونکہ سیاح جس مقصد کے لئے ان علاقوں میں آتے ہیں ان علاقوں کی مذہبی اور سماجی روایات ان مقاصد میں رکاوٹ پیدا کرتی ہیں۔ وہاں لوگ مغرب کے بعد سو جاتے ہیں اور سیاحت رات سے صبح کا آغاز کرتی ہے عیش کی اور عورت کی طالب ہوتی ہے وہاں سخت ترین پردہ ہوتا ہے وہاں دن جاگتے اور راتیں سوتی ہیں سیاح کا تو دن غرب آفتاب کے بعد طلوع ہوتا ہے لہٰذا پاکستانی علاقے سیاحوں کے لئے جنت کے بجائے جہنم بن جاتے ہیں اس لئے وہ اس جہنم میں تشریف نہیں لاتے۔

☆ ورلڈ فوڈ آرگنائزیشن کے مطابق ۲۰۰۸ء میں دنیا کی تاریخ میں سب سے زیادہ چاول پیدا ہوا ہے لیکن دنیا کی تاریخ میں کبھی چاول اتنا مہنگا نہیں ہوا جس قدر آج ہے۔ ایک ہزار سال پرانے اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ ایک ہزار سال کے دوران دنیا بھر میں غلے کی قیمتوں میں صدیوں میں جا کر تھوڑی بہت تبدیلی ہوتی تھی لیکن آج عہد جدید میں ہر ہفتے، ہر روز دن میں دو مرتبہ غلے کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں اس کی بنیادی وجہ مغرب کا تخلیق کردہ طلب ورسد کا قانون اور مغربی معیشت کی ایجاد آزاد منڈی کی معیشت [FreeMarket]، اجارہ داریاں [Monopolies] اور سرمایہ دارانہ مزاج یعنی [Accumalation of Capitalf for the sake of accumlation] آزادی [Freedom]، لذت [Pleasure] کا زیادہ سے زیادہ حصول کیونکہ جدید معیشت وفلسفے نے دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا ہے کہ [Man is a pleasure seeking animal] اور سرمایہ میں اضافے کا مطلب لذت کے حصول میں زیادہ سے زیادہ اضافہ [Capial for Maximzation of Capital] ہے۔ ظاہر ہے اس فلسفے کے نتیجے میں قیمتیں نہیں بڑھیں گی تو اور کیا بڑھے گا۔ ورلڈ بینک، ورلڈ فوڈ آرگنائزیشن، آئی ایم ایف کے مطابق گزشتہ کئی برسوں سے دنیا میں جتنی غذائی اجناس پیدا ہوئی ہیں دنیا کی تاریخ میں کبھی اتنی اجناس، اتنا غلہ پیدا نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود غلے کی قیمت کم ہونے کے بجائے مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ جدید سائنس وٹیکنالوجی نے غلے کی پیداوار میں بے تحاشہ اضافہ کیا ہے لیکن اس سائنس وٹیکنالوجی نے انسان کی حرص وحسد وہوس کو غلے کی پیداوار سے کئی گنا زیادہ بڑھا دیا ہے کیونکہ یہ سائنس لذت اندوزی کی جتنی چیزیں ایجاد کر رہی ہے اس کے حصول کے لیے مسلسل پیسہ کمانے کی دوڑ میں شامل ہوئے بغیر چارہ نہیں ہے۔ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ چیزیں بازار میں آ رہی ہیں تو آنے دو آپ اس کی طرف مت دیکھیے صرف ان چیزوں کی طرف دیکھیے جو آپ کو چاہئیں وہ چیزیں لیجیے جو آپ کی ضرورت ہیں جو آپ اپنے وسائل سے خرید سکتے ہیں لیکن یہ احمقانہ استدلال ہے آپ اشتہار دے دے کر مجھے للچاتے ترساتے اور تڑپاتے ہیں آپ قسطوں پر چیزیں فروخت کرتے ہیں آپ

کریڈٹ کارڈ بھی دیتے ہیں اور مجھے کہتے ہیں کہ میں اپنے نفس پر قابو رکھوں آپ بازار میں طوائف کو بنا سنوار کر بٹھا دیں اور کہیں کہ لوگو غضِ بصر سے کام لو اس کی طرف نگاہ اٹھا کر بھی نہ دیکھنا یہ سراسر شر ہے سوال یہ ہے کہ شر کیوں موجود ہے کیوں گوارا ہے کیوں سر عام دیے کی طرح جلا کر رکھ دیا گیا ہے کیا مصلحت ہے تم رب العالمین نہیں ہو کہ لوگوں کے ایمان کی آزمائش کے لئے اور ان کے خبث باطن کو دو اور دو چار کی طرح واضح کرنے کے لئے ہاروت و ماروت کو عہد حاضر میں اتار دو تم خدا بننے کی کوشش نہ کرو اور بے وقوف بنانے کے لئے احمقانہ دلائل نہ دو تم اشرار پر مبنی ایجادات بازار میں پھینکتے رہو اور لوگوں سے کہو کہ آپ کو آزادی ہے آپ اسے نہ خریدیں تم سردیوں میں کوک اور آئس کریم آزاد تجارت [Free Market] کے نام پر لاؤ اور اسے فطری عمل قرار دے دو اسلامی ریاست ہو تو وہ ان کارخانوں کو بند کر دے گی جو صرف پیسہ کمانے کے لئے سردیوں میں لوگوں کی صحت مال سے کھیلتے ہیں اگر رمضان میں تمام ہوٹل کھلے ہوں سب لوگ کھا پی رہے ہوں، روزے کا ماحول نہ ہو تو اس میں روزہ رکھنا آسان ہو گا یا مشکل؟ لیکن اگر ہر طرف احترام رمضان ہو تو روزہ رکھنا کتنا آسان ہو گا؟ سوال یہ ہے کہ جب غلہ اجناس غذائی اشیاء انسانی ضروریات سے بہت زیادہ پیدا ہو رہی ہیں تو دنیا میں قحط کیوں آ رہے ہیں؟ لوگ خودکشی کیوں کر رہے ہیں؟ یہ خودکشی کرنے والے اپنی جان دینے کے بجائے دوسروں کی جان لینا شروع کر دیں تو دنیا کا نقشہ کیا ہو گا؟ دنیا کی تاریخ میں جس طرح قحط اب پڑے ہیں جس طرح لوگ بھوکے اب مرے ہیں جس طرح قیمتیں اب چڑھی ہیں کبھی نہیں چڑھیں آخر کیوں؟ ایسا کیوں ہے کہ تم صرف غلے کے ڈھیر غلے کی مقدار، غلہ اگلتی ہوئی زمینوں کی سائنس و ٹیکنالوجی کو دیکھتے ہو لیکن اس رویے، طریقے، اسلوب حیات، طرز زندگی کو نہیں دیکھتے جو غلے کے اس ڈھیر سے برآمد ہوا۔ یہ رویہ ایسے ہی نہیں برآمد ہوا اس رویے کے بغیر اتنا غلہ کبھی نہیں پیدا ہو سکتا تھا خوشحالی کا یہ ڈھیر اور فارغ البالی کا یہ انبار حرص وحسد و ہوس کے اس مابعد الطبیعیاتی فلسفے سے برآمد ہوا ہے جو سترہویں صدی کے بعد روشن خیالی، تحریک نشاۃ الثانیہ اور تحریک تنویر کے ذریعے دنیا کو ملا ہے اور دنیا پر ابھی تک حکومت کر رہا ہے پوری تاریخ انسانی میں دنیا کی اکیس تہذیبوں میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نے بھوک سے خودکشی کی ہو۔ ضرورت سے زیادہ غلہ پیدا کرنے والا انسانیت کی خدمت کے لیے، غربت کے خاتمے کے لیے، حاجت مندوں کی ضرورت کے لیے غلہ پیدا نہیں کر رہا وہ اپنے نفس کی خواہشات پورا کرنے کے لیے غلہ پیدا کر رہا ہے۔ لہٰذا یہ انسان انسان نہیں درندہ ہے۔ اس کی درندگی بہمیت وحشت، ظلمت اس کے باطن کی تاریکی ذلت رسوائی خباثت اسے غلے کی قیمت میں مسلسل اضافے پر آمادہ کرتی ہے۔ دنیا کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی شخص بھوکے لوگوں کی قطاریں دیکھ کر خوش ہوا، فاقہ مستوں کے سوکھے چہرے دیکھ کر اسے مسرت حاصل ہوئی کہ ان چہروں اور اس حالت کی وجہ سے اس کے پیدا کردہ غلے کی قیمتیں بڑھ جائیں گی۔ اگر اس کے غلے کی قیمت کم ہو جائے تو اسے دکھ ہوتا ہے۔ ایسا ذلیل انسان پوری تاریخ انسانی میں کسی تہذیب میں کسی مذہب میں کبھی پیدا نہیں ہوا۔ یہ اس جدید سائنس و ٹیکنالوجی کا کمال ہے جو جدید فلسفے سے پیدا ہوئی ہے اور اس جدید انسان کا ضمیر خمیر بھی اسی خاک سے اٹھا ہے تاریخ کے ہر دور میں پیداوار [Production] کا مقصد صِرف صَرف [Cosumption] ہوتا تھا پیداوار زیادہ ہوتی تو اسے فروخت کر دیا جاتا یا خیرات کر دیا جاتا لیکن پیداوار برائے پیداوار [Production only for prupose of production]، پیداوار برائے بڑھوتری منافع، اور پیداوار برائے تبادلہ [Exchange] انسان کا کبھی یہ مقصد نہیں رہا۔ یہ سترہویں صدی کے دور تنویر و روشن خیالی کا کمال ہے کہ انسان کی تمام صلاحیتوں، توانائیوں اور امکانات کو عقلیت [Rationaly] اور پیٹ و معدہ تک محدود کر دیا گیا ہے۔ عہد قدیم میں جب کسی علاقے کی زمین زرخیزی کھو دیتی زمین غلہ اگلنا بند کر دیتی تو لوگ ان علاقوں سے نقل مکانی کرتے تھے۔ عہد جدید کی ضلالت قوم پرستی [Nationalism]

نے جس کی تاریخ چار سو سال سے زیادہ نہیں قومی سرحدیں بنا کر اس نقل مکانی کو ناممکن بنا دیا ہے۔ گزشتہ سال افریقہ میں قحط پڑا اور لوگ ایک افریقی ملک سے دوسرے افریقی ملک جانے لگے تو سرحدوں پر فائرنگ کر کے انسانوں کو ہلاک کر دیا گیا۔ اس سال غزہ میں اسرائیل نے لوگوں کو قحط میں مبتلا کیا تو لوگ مصر کی سرحد پر جمع ہو گئے لیکن مصر نے فلسطینیوں کو اپنی سرحدوں میں داخل ہونے سے جبراً روک دیا اس کا فلسفہ یہ ہے کہ یہ لوگ آئیں گے تو ہماری معیشت پر بوجھ بنیں گے۔ ہمارے حصے میں سے کھالیں گے ہمارے وسائل کم ہو جائیں گے ساڑھے سات ہزار سال کی تاریخ میں قدیم تہذیبوں میں کبھی کسی شخص کو ایک خطے سے دوسرے خطے ایک براعظم سے دوسرے براعظم منتقل ہونے پر قدغن عائد نہیں ہوئی، کسی تہذیب نے اور اس عہد کے کسی انسان نے یہ نہیں سوچا کہ کسی دوسرے شخص یا گروہ کے ہمارے علاقے میں آنے سے معاشی مسائل پیدا ہوں گے۔ ہمارے وسائل کم ہو جائیں گے۔ یہ ذلیل ذہنیت مغرب کے فکر و فلسفے اور مغربی نیشنل ازم کی پیداوار ہے جس نے پہلے ملکوں کو قومیت کی بنیاد پر تقسیم کیا اس کے بعد کلیسا بھی قومی کلیسا بن گئے۔ چرچ آف انگلینڈ، چرچ آف اسپین وغیرہ اس کے بعد سفر کے لیے پاسپورٹ ویزا کی پابندیاں عائد کر دی گئی۔ ۱۹۲۴ء تک جب خلافت عثمانیہ زندہ تھی اسلامی خلافت کے کسی حصے میں کسی شخص کی نقل و حمل حرکت پر کوئی پابندی نہ تھی، ہر مذہب عقیدہ کے لوگ ایک جگہ سے دوسری جگہ نقل مکانی کرتے رہتے تھے، اس عہد کے لوگ، حکمران، دانش ور اس بات سے آگاہ تھا کہ قحط بھوک خشک سالی کے باعث ہجرت اور نقل مکانی کر کے کسی اور ملک سے آنے والا شخص ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کا بندہ ہے، مشکل حالات میں ہے لہٰذا ہماری خوشیوں کے خوشوں میں سے چند خوشے چن لے گا ان کے لیے یہ خوشی کا موقع ہوتا تھا وہ اس کا استقبال کرتے تھے مدد کرتے تھے، ہمدردی کرتے تھے، ان کی دانش کو یہ علم تھا کہ آنے والا صرف اپنے ساتھ ایک خالی پیٹ اور کھلا منہ لے کر نہیں آ رہا ہے اس کے ساتھ وہ اپنے دو ہاتھ، اپنی عقل، اپنے تجربات، اپنی تہذیب تاریخ کا پورا ورثہ، اپنی آبائی دانش، فہم، عقل، ذکاء، ذہانت، جذبات محسوسات، اور خدا جانے کیا کیا کچھ لے کر آ رہا ہے۔ یہ صرف روٹی نہیں کھائے گا بلکہ اپنے تہذیبی تاریخی ورثے سے ہمیں اخذ و استفادے کا موقع بھی دے گا۔ عہد حاضر کا ذلیل انسان اس دانش سے محروم ہے اس لیے دنیا نے ٹی وی پر یہ نظارہ دیکھا کہ ایتھوپیا، جنوبی کوریا، صومالیہ، سوڈان، میں قحط کے بعد جب قحط زدہ لوگ اپنے ملک کی سرحدوں سے دوسرے ممالک کی سرحدیں پھلانگنے لگے تو ان کی عورتوں بچوں اور بوڑھوں کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔ لیکن ٹی وی نے یہ منظر بھی دیکھا کہ انہی سرحدوں سے اس قحط زدہ ملک کے جانور، مویشی، پرندے ہجرت کر رہے تھے لیکن ان پر کوئی گولی نہیں چلائی گئی، انھیں خوش آمدید کہا گیا، ان کو روکا نہیں گیا، یہ کیسی تہذیب، کیسی تاریخ، کیسا انسان، کیسا عہد، اور کیسا زمانہ ہے کہ انسانوں کو قتل کیا جا رہا ہے ان کو سرحد عبور نہیں کرنے دی جا رہی، ان کو قحط سے مرنے کے لیے زبردستی بھوک اور پیاس کے منہ میں دھکیلا جا رہا ہے اور جانوروں کو ہجرت کی آزادی ہے۔ جاوید غامدی کی نظر میں ہم تاریخ کے سب سے عظیم عہد میں جی رہے ہیں، جب تمام ظلم ختم ہو گئے ہیں، انسان بہت روشن خیال اور مہذب ہو گیا ہے، اس جاہل خود ساختہ فقیہہ اور برخود غلط عالم کو یہ معلوم نہیں کہ عصر حاضر دنیا کا سفاک ترین عصر، اس کا انسان دنیا کی تاریخ کا وحشی ترین درندہ اور اس کی اخلاقیات نفس پرستی شکم پرستی اور جاہ پرستی کے سوا کچھ نہیں ہے۔